پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام

مسئلہ کشمیر اور نئی صورتحال

ان دنوں سارک کانفرنس اور پاک بھارت سربراہوں کی ملاقات کا تذکرہ بام عروج پر ہے۔ ہماری حکومت کی جانب سے پاک بھارت مذاکرات اور سارک کانفرنس کی کامیابی کا ڈھنڈورا جس شدت کے ساتھ پیٹا جا رہا ہے' اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے کوئی بڑا اہم کارنامہ سرانجام دے لیا ہے۔ ایک ایسا کارنامہ جس کی مثال پچھلے چھپن برسوں میں پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ معاہدے پر دستخط کرنے والے دن کو تاریخ ساز دن قرار دیا جا رہا ہے۔ سرکاری تحویل میں کام کرنے والے' ریڈیو، ٹیلی ویژن سنٹر دن رات جنرل پرویز اور جمالی صاحب کی عظمت کے ترانے گاتے نہیں تھکتے۔ لوگوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ مسرت کے اس موقع پر حکومت کی کامیابی پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائیں، رقص کریں، ناچیں گائیں، اُچھلیں کودیں کہ پاکستان نے بھارت کے وزیراعظم کو ملاقات کے لیے مجبور کر دیا ہے جس میں بھارتی وزیراعظم نے کشمیر سمیت تمام مسائل پر گفتگو کرنے کی حامی بھری ہے اور اگلے ماہ فروری میں پاک بھارت سیکرٹریوں کی ملاقات بھی طے ہوگئی ہے اور یہ سب کچھ دونوں ممالک کے درمیان جذبہ خیر سگالی اور امن کی خواہش کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب دونوں ملکوں کے عوام جنگ نہیں' امن چاہتے ہیں۔ لہٰذا امن کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے آپس میں میل ملاپ، ایک دوسرے ملک کے اندر مختلف وفود کا آنا جانا، جذبۂ خیر سگالی کو اُجاگر کرنے کے لیے کھلاڑیوں اور فلمی اداکاروں کا تبادلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ سارک کانفرنس کے فیصلے کے تحت دونوں ممالک کے درمیان آزاد تجارت کے امکانات بھی روشن ہوگئے ہیں۔ لہٰذا فکر کی کوئی بات نہیں۔ کشمیر سمیت سب معاملات اب طے ہو جائیں گے اور ایک مرتبہ پھر ہم دونوں ممالک دشمنی سے دوستی کی منزل کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ اخبارات اور دوسرے ذرائع نشر و اشاعت' یہ بات بھی تواتر سے بیان کر رہے ہیں۔ دونوں ملکوں کو دوستی کی فضا تک لانے کے لیے امریکہ بہادر نے ایک بنیادی کردار ادا کیا ہے جو واقعی اس خطہ میں امن چاہتا ہے۔ تاکہ ایٹمی اسلحہ سے لیس ممالک ایک دوسرے کے اتنے قریب آ جائیں کہ ایٹمی جنگ کے امکانات سرے سے بالکل ہی ختم ہو کر رہ جائیں اور امریکہ کے سرمایہ کار جو اپنے ہاتھوں میں ڈالر لیے ہندوستان کے اندر سرمایہ کاری کے لیے بے چین و مضطرب ہیں۔ وہ بھارت کے اندر سرمایہ کاری کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ امریکہ کی ایسے حالات میں پاک و ہند کے درمیان صلح کے لیے یہ دلچسپی اب چونکہ اُن کے اپنے ملک کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس لیے امریکہ بہادر دونوں ممالک کے درمیان جنگ کی بجائے صلح کے لیے ان تھک کوششوں میں مصروف ہے۔ ورنہ جس ملک کی وجہ سے پوری دنیا میں جنگ کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہو۔ اُس کے لب پر صلح کے ترانے کوئی اتنے سجتے نہیں ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی سب پر واضح ہے کہ اس سے پہلے امریکہ پاک و ہند کے درمیان صلح کی بجائے جنگ کا خواہش مند رہتا تھا کہ یہ بات اس کے معاشی مفاد میں تھی۔ کیونکہ اسلحہ بیچنے کا یہی ایک مؤثر طریقہ تھا کہ دونوں ممالک کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہیں۔ اب چونکہ دونوں ممالک اپنا اہم اور بنیادی اسلحہ خود

بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اب امریکہ کو ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں ممالک کے اندر سرمایہ کاری کر کے دونوں ممالک کی فنی مہارت اور سستی مزدوری سے فائدہ اُٹھا کر ان ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنی تجوریاں بھر لے۔ گویا دونوں ممالک کے درمیان صلح کرانے کا امریکی عمل دخل کوئی نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ امریکہ کا اپنا مفاد اس بات میں ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان امن و سلامتی کی فضا قائم ہوتا کہ وہ اپنی دکانداری کو بہتر طور پر چلا سکے۔ ظاہر ہے کہ بلی کوئی ثواب کے لیے تو چوہے نہیں کھاتی، اُس نے اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے لہٰذا پیٹ بھرنے کے لیے اُسے کہیں نہ کہیں سے چوہے مل ہی جاتے ہیں۔

جہاں تک ’’سارک کانفرنس‘‘ کے حوالے سے مسئلہ کشمیر کا تعلق ہے۔ قارئین حضرات کو اس بات کا علم ہی ہے کہ ’’سارک‘‘ کی تنظیم کے چارٹر میں ایسی کوئی شق سرے سے موجود ہی نہیں جس کے تحت متنازعہ امور کو زیر بحث لایا جا سکے۔ لہٰذا کشمیر کے حوالے سے تو سرے سے کوئی بات نہ ہی کانفرنس میں زیر بحث آئی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی بات کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے جنرل صاحب کی طرف سے بطور تجویز یہ بات اخبارات میں شائع ہوئی ہے کہ سارک کانفرنس کے چارٹر میں ترمیم کر کے رکن ممالک کے درمیان متنازعہ امور کو زیر بحث لانے کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ بنیادی اختلافات کو ختم کر کے سلامتی کی راہ پر خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھا جا سکے۔ لہٰذا اس مجبوری کے تحت کشمیر کے بارے میں اگر کوئی بات ہوئی ہے تو وہ ہمارے جنرل اور وزیراعظم کے ساتھ بھارتی وزیراعظم کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں میں ہی ہوئی ہے۔ لیکن اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان نے ایک ایسی قربانی دی ہے جو قربانی ہمارے پہلے حکمران چاہتے ہوئے بھی نہ دے سکے۔ یعنی کشمیر کے مسئلہ پر جو مؤقف حکومتِ پاکستان کا ایک بنیادی مؤقف رہا ہے کہ کشمیر کے اندر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کے ذریعے کشمیریوں کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اس موقف سے پاکستان نے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور تجویز پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ اور توقع یہ کی جا رہی ہے کہ جواب میں بھارت بھی یہ کہنا بند کر دے گا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ بھارت اب کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتا ہے کہ نہیں اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا۔ لیکن پاکستان کا موقف یو۔ این۔ او کی قراردادوں سے انحراف کی وجہ سے ضرور کمزور ہو گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر دو ملاقاتوں کے بعد اخبار نویسوں کو ملاقاتوں کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی گئی بلکہ مکمل خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اس میں بھی مصلحت یہی ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے، عوام الناس سے پوشیدہ رکھا جائے۔ تاکہ اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ پیدا نہ ہو جو پورے ’’پلان‘‘ کو ناکام کر کے رکھ دے۔ بلکہ ایک اخباری اطلاع یہ بھی ہے کہ ملاقاتوں میں ہونے والی باتوں سے خود ہمارے وزیر خارجہ بھی بے خبر رہے ہیں۔ در پردہ اس ساری کارستانی میں بھارت کے مسٹر برجیش مشرا اور پاکستان کے صدر کے قادیانی پی اے طارق عزیز نے ہی سارا کردار ادا کیا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ جو جنرل صاحب ایک مدت سے پاک بھارت تعلقات کے درمیان بنیادی مسئلہ کہتے رہے ہیں، نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کے برعکس تجارت، کھیل، ثقافت اصل مسئلے کے طور پر آگے آ گئے ہیں۔ لہٰذا یہ توقع رکھنا کہ بھارت کسی مرحلہ پر اپنے آئین سے 370 کی شق خارج کرنے کی خوشخبری دے گا۔ خارج از امکان ہے یاد رہے کہ بھارت نے اسی شق کے تحت کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیا تھا۔ اس سارے قصے میں نقصان کشمیریوں کا ہوا ہے۔ جن کی قسمت اب

تک اقوام متحدہ کی قراردادوں سے وابستہ ہوگئی ہے کہ بھارت کشمیر کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری بات جو قابل غور ہے یہ کہ پاکستان اور بھارت دونوں مشترکہ طور پر کشمیر میں رائے شماری کے پابند ہیں۔ اگر پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کو الگ رکھ دیتا ہے تو تنازعہ کشمیر کے ایک فریق کی حیثیت میں اس کی اپنی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ پاکستان مذاکرات کے دوران مسئلہ کشمیر پر کہاں سے بات شروع کرے گا اور بھارت کے موقف کے جواب میں اقوام متحدہ کی قرارداد کے علاوہ کیا کہے گا۔ جبکہ صورت حال یہ ہیکہ ہماری طرف سے ہر رعایت کے جواب میں بھارتی ردّ عمل مثبت نہیں ہے بلکہ منفی ہے۔ بھارت نے کشمیر کے اندر ہمارے یک طرفہ جنگ بندی کے اعلان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کنٹرول لائن پر باڑیں لگانی شروع کردی ہیں۔ اور پاکستان اس پر خاموش ہے۔ یہ پراسرار خاموشی کس لائحہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

ہمارے جنرل پرویز صاحب نے کشمیر کے مسئلہ پر اپنا مؤقف بتدریج تبدیل کیا ہے۔ جب انہوں انے اقتدار پر قبضہ کیا تھا تو نواز شریف اور واجپائی کے درمیان ہونے والے معاملات کے نتیجے میں ''لاہور سمٹ'' کو یہ کہہ کر مسترد کردیا تھا کہ وہ بھارت سے مذاکرات اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک بھارت کشمیر کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن 2001ء میں آگرہ کے مقام پر انہوں نے اپنے موقف میں اس وقت پہلی لچک دکھائی' جب وہ بھارتی تجویز جس میں جامع مذاکرات کی بات کہی گئی تھی کے ساتھ اتفاق کر گئے تھے۔ جس کے تحت کشمیر کا مسئلہ تو ضرور ہوگا لیکن اسے بنیادی مسئلے کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ اب بھی جامعہ مذاکرات کی بات طے ہوئی جس میں کشمیر کا مسئلہ تو آئے گا لیکن یہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہوگا۔

نئ صورت حال میں دوسرا مسئلہ دہشت گردی کا ہے جس کے بارے میں معلومات یہی ہیں کہ پاکستان نے وہ بات مان لی ہے جس پر بھارت کو اصرار تھا۔ اور وہ ایک مدت سے یہ کہتا چلا آرہا تھا کہ مذاکرات اس وقت تک نہیں ہوں گے۔ جب تک کشمیر میں بیرونی دہشت گردی بند نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو کشمیر کی جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں وہ ''ہیرو'' ہیں یا پھر دہشت گرد؟ دہشت گردی اور جنگِ آزادی میں کیا فرق ہے؟ دہشت گرد کی تعریف تو اقوام متحدہ جو کہ دنیا کا سب سے بڑا ادارہ ہے' وہ نہیں کر سکا۔ پھر پاکستان اس بات کا کہاں تک مجاز ہے کہ دہشت گردی کی اس تعریف کو تسلیم کرے جو بھارتی موقف کو مضبوط کرتی ہے اور ریاستی دہشت گردی کی بات کو سرے سے نہ اُٹھائے جس کا شکار پچھلے چودہ برسوں سے کشمیری ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اَسی ہزار نوجوان جام شہادت نوش کر گئے۔ کتنے بچے یتیم ہوگئے، کتنی عورت کو بھارتی درندوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، کتنے بڑھاپے بے سہارا ہوئے؟ اس کا ذکر کہیں نہیں۔ ایسے حالات میں کشمیر کے مقدمے کا کیا مستقبل ہے' اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا۔ ایسی صورت حال پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں حکومتِ وقت کے اس کارنامے پر خوشی کا مظارہ کرنا چاہیے یا پھر ماتم؟

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

☆☆☆